فن بلاغت ــــ ایک تحقیقی مطالعہ

ڈاکٹر مزمل حسین☆

Abstract

"Balaghat" is one of very important discussions in eastern criticism. It is "Balaghat" that lends beauty and refinement to poetry and literary writing. No author can create depth, vastness and beauty in his creations without having an understanding of the rudiments of this branch of knowledge. The definition and whole implication of "Balaghat" have been perceived through the article.In addition to it, new issues have been discussed in the back ground of "Balaghat"

''بلاغت'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ (ب۔ل۔غ) ہے۔ مختلف لغات اور فرہنگوں سے اس کے مفہوم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

''فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی'' میں بلاغت کے یہ معانی لکھے ہیں:

''کلام کا اچھا اور پورا ہونا، فصیح ہونا، حال و مقام کے تقاضوں کے مطابق کلام لانا۔''(۱) ''جامع اللغات'' کے مطابق بلاغت کے معانی ہیں:

> ''خوش گفتاری، شیریں کلامی، خوش بیانی، فصاحت، بلوغ، پختگی، ایک علم جو اعلیٰ قسم کی خوش گفتاری سکھاتا ہے۔ اس کی تین شاخیں ہیں یعنی علم معانی، علم بیان اور علم بدیع''۔(۲)

المنجد (عربی، اردو) کے مطابق:

بَلُغَ: (ک۔کَرُمَ یَکْرُمُ) بَلُغَ یَبْلُغُ بروزن فَعُلَ یَفْعُلُ (با، لام، غین: ب، ل، غ)

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، لیہ

بَلَاغَۃٌ : فصیح و بلیغ ہونا۔صفت بَلِیْغٌ۔جمع (ج) بُلَغَاء۔ بَلِغَ: مشقت میں مبتلا ہونا۔
اَبْلَغُ وَ اُبْلُغٌ: بلیغ۔ انتہا کو پہنچنے والی چیز کو کہتے ہیں ''ھواحمق بلغ'' وہ پرلے درجے کا بیوقوف ہے۔
اسی طرح ھی حُمَقَاءُ بُلغۃ جَیْش بَلَغ۔ پہنچنے والا لشکر۔ اَلْبَلَاغُ۔ پیغام کسی چیز تک پہنچنا، کفایت،
کتاب جس میں کسی مسئلہ کا حکم بیان کیا جائے (جمع) بَلَاغَات۔ اَلْبَلَاغَات۔چُغل خوریاں (۳)

''نور اللغات'' کے مطابق بلاغت کے معانی اس طرح بیان ہوئے ہیں:

''بلاغت :(ع۔ بفتحِ اول و چہارم۔تیز زبانی۔کلام میں مرتبہ کمال پر پہنچنا)
مونث: ا۔مقتضائے حال کے موافق کلام کرنا،خوش گفتاری۔۲۔(اصطلاح)
وہ علم جس میں اعلیٰ درجہ کی خوش بیانی کے قواعد کی تعلیم ہو''۔(۴)

فیروز اللغات (فارسی) کے مطابق بلاغت کے یہ معانی ہیں:

''بلاغت (ع)،ا۔حسب موقع گفتگو کرنا،جیسا موقع دیکھنا ویسی گفتگو کرنا،
۲۔کلام کا اچھا اور پورا ہونا،کلام کا عیب اور ضعف تالیف سے پاک ہونا،
۳۔مخاطب کے لائق اور مناسب کلام کرنا،۴۔علم بیان کے انتہائی درجہ پر
پہنچنا،۵۔جوان ہونا''۔(۵)

مندرجہ بالا لغتوں اور فرہنگ میں بلاغت کی ایک ہی جیسی تعریفیں اور معنی ہیں۔یعنی تمام ماہرین لغت اس بات پر متفق ہیں کہ بلاغت کے لغوی معنی کلام کا اچھا اور دِل نشین ہونا کے ہیں اور اصطلاحی معنی،کلام کا مقتضائے حال کے موافق ہونا کے ہیں۔ماہرین بلاغت نے اپنی اپنی کتب میں انہی معنوں کے تحت فن بلاغت کی وضاحت اور تشریح کی ہے۔

فصاحت اور بلاغت الگ الگ الفاظ ہونے کے باوجود آپس میں لازم وملزم ہیں اور دونوں مل کر ایک ترکیب بنتے ہیں اور ایک جامع مفہوم کو سامنے لاتے ہیں۔بہر حال بلاغت کی طرح فصاحت کے بھی اپنے الگ معانی ہیں۔اس کے معانی ہیں۔کلام میں ایسے الفاظ لانا جو روزمرہ اور محاورے کے خلاف نہ ہوں اور موقع اور محل کے مطابق ہوں نیز مندرجہ ذیل عیوب سے بھی پاک ہوں۔ضعف تالیف،تعقید(لفظی ومعنوی)، تنافر (تنافر لفظی ومعنوی) تتابع اضافات بدونِ ضرورت، کثرتِ تکرار، مخالفتِ قیاس اور غرابت۔(۶)

فصاحت اور بلاغت کو باہم ملانے سے یہ بات واضح ہوگی کہ کلام میں فصاحت اور بلاغت کی بدولت ایسے الفاظ کا انتخاب کیا جاتا ہے جو بولنے، سننے اور لکھنے میں اچھے لگیں اور اہل زبان کی بول چال اور فطرت کے عین مطابق ہوں۔ یہ مفہوم اور معنی کے اعتبار سے اس طرح واضح ہوں کہ ان کے ذریعے اصل معنی تک آسانی سے رسائی حاصل ہو سکے اور اگر مذکورہ بالا اصول و ضوابط میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو جائے تو کلام فصاحت اور بلاغت کے معیار سے گر جائے۔

فصاحت اور بلاغت ساخت کے اعتبار سے مصدر ہیں۔ اصطلاح میں فصاحت الگ سے کسی خاص علم کا نام نہیں لیکن جس وقت شعر و ادب کے جمالیاتی پہلوؤں کو دیکھا جاتا ہے تو فصاحت اور بلاغت کی اصطلاحیں استعمال کی جاتی ہیں۔ جن کے تحت کلام میں لفظی اور معنوی حُسن کو دیکھا اور پرکھا جاتا ہے کیونکہ کلام میں ''فصاحت'' لفظی خوبیاں پیدا کرنے کا نام ہے اور بلاغت کلام میں معنوی خوبیاں پیدا کرتی ہے۔ لیکن جس وقت ''بلاغت'' کی الگ سے بحث کی جاتی ہے تو یہ ایک ایسے علم کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو علم معانی، علم بیان اور علم بدیع کی شاخوں سے ترتیب و تشکیل پاتا ہے اور کلام کو نہ صرف دل نشین بناتا ہے بلکہ اسے مقتضائے حال بھی بناتا ہے۔

فارسی اور اردو میں بلاغت کے مباحث عربی کی بدولت داخل ہوئے۔ عربی زبان کو اس کی بے پناہ وسعت اور فصاحت و بلاغت کے باعث ایک خاص مقام حاصل ہے جس کی زندہ مثال فصیح و بلیغ زبان سے مزین اور امت مسلمہ کے لیے ایک انمول تحفہ قرآن مجید ہے۔ جب قرآن مجید نازل ہوا تو نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے اس کتاب کے ذریعے پوری کائنات کو اسلام کی دعوت دی اسی قرآنی معجزہ کا کمال تھا کہ تعلیمات خداوندی بہت جلد دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئیں۔ قرآن کے بلیغ اسلوب نے بھٹکے ہوؤں کے دل و دماغ پر ایسے اثرات مرتب کیے کہ وہ جلد ہی راہ راست پر آ گئے۔ عربی بلاغتی تاریخ میں اسی لیے قرآن پاک کو فصاحت و بلاغت کا منبع کہا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ''مختصر المعانی'' کا درج ذیل اقتباس دیکھیے:

> ''بہرکیف اہل عرب کی زبان دانی، کلام کے نشیب و فراز سے واقفیت، مقتضائے احوال کا امتیاز یہ سب چیزیں واجب التسلیم ہیں جن کا انکار کرنا دن کے ہوتے ہوئے طلوع آفتاب کے انکار کے مترادف ہے۔ جس کی

واضح دلیل قرآن پاک ہے۔ جس نے اہل عرب کو اعلیٰ مراتب بلاغت میں
نازل ہوکر بہانگ دہل اس بات کا چیلنج دیا ہے کہ اس کے معارضہ ومحاکات
کی جن وبشر کو مجتمع ہوکر بھی قدرت نہیں'' (۷)

اس بات کی شہادت قرآن مجید میں بھی دیکھیے:

''وَاِنْ کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شھداء کُم من دون اللّٰہ ان کنتم صدقین''۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۳)

(اور اگر تم شک میں ہو اس سے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو بنالاؤ اس جیسی کوئی سورت اور لے آؤ اپنے گواہ، اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو)

یہ خدائی دعویٰ، قرآن کی لفظی اور معنوی خوبیوں سے ہر دو اعتبار سے بے مثل اور لاجواب ہے اور انہی خوبیوں کی وجہ سے قرآن پاک کو مشرقی فن بلاغت اور بطور خاص اسلامی ادب کا پس منظر قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی ادب میں فصاحت وبلاغت کے مباحث کا آغاز قرآن مجید کے دل نشین اور دل آویز اسلوب کے زیر اثر ہوا، علم معانی، علم بیان اور علم بدیع ایسے علوم کے عناصر قرآن مجید میں بآسانی دیکھے جا سکتے ہیں۔ قرآن میں تشبیہات اور استعارے اپنے جلوے دکھا رہے ہیں۔ یہی حال صنائع بدائع کا بھی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن پاک سے علم بیان اور علم بدیع کی چند مثالیں دیکھیے:

تشبیہ : اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِنِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ ۝ (۸)

استعارہ: وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا ۝ (۹)

کنایہ: اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ (۱۰)

مجاز مرسل: يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِىْ آذَانِهِمْ ۝ (۱۱) (اطلاق اسم کل بر جز)

وَيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ۝ (۱۲) (اسم جز بر کل)

اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (۱۳) (خاص بول کر عام مراد لیا)

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِى الْاَرْضِ ۝ (۱۴) (عام بول کر خاص مراد لیا)

علم بیان کی ان مثالوں کی طرح علم بدیع کے حوالے سے بھی چند مثالیں دیکھیے:

صنعت طباق:

☆ أُولٰئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی۝ (۱۵)

☆ تَعْلَمُ مَافِی نَفْسِی وَلَا اَعْلَمُ مَا فِی نَفْسِکَ۝ (۱۶)

☆ اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًافَاَحْیَیْنٰهُ ۝ (۱۷)

صنعت تکرار:

☆ اَلْحَآقَّةُ۝مَاالْحَاقَّةُ۝ وَمَا اَدْرٰکَ مَا الْحَآقَّةُ ۝ (۱۸)

☆ اَلْقَارِعَةُ۝ مَاالْقَارِعَة۝ وَمَآ اَدْرٰکَ مَاالْقَارِعَةُ۝ (۱۹)

صنعت تجاہل عارف:

☆ اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهُ۝ (۲۰)

☆ ءَ اَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَایٰاِبْرٰهِیْمُ۝ (۲۱)

تجنیس تام:

وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَالَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ۝ (۲۲)

اطراد:

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَاءِ یْ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْحَاقَ وَیَعْقُوْبَ۝ (۲۳)

استدراک:

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا۝ (۲۴)

قرآن پاک سے ان چند مثالوں کے علاوہ مصحف اعظم میں بلاغت کی ایسی ایسی گلکاریاں کی گئی ہیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔ بقول پروفیسر حکیم علی احمد عباسی:

"اسلوب قرآنی بھی ایک معجزہ ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں ادب کی کوئی صنف اسلوب قرآنی کو نہیں پہنچتی۔ یہ کتاب ہے لہذا اس کی تدوین کتابی ہے، یہ تقریر ہے لہذا اس کا انداز تقریری ہے۔ اسی لیے اسے "کتاب" بھی کہا گیا ہے اور "قرآن" بھی۔ یہ نثر ہے منظوم اور نظم ہے منثور۔ یہ سجع ہے

لیکن غیر مقفیٰ۔ یہ عبارت مقفیٰ ہے لیکن غیر مسجع۔غرض یہ ہے کہ یہ بدیع اور اچھوتا طرز عبارت دنیا میں نہ پہلے کہیں تھا اور نہ بعد میں کہیں پیدا ہوا۔ اس اعتبار سے بھی زمانے کے ہر دور میں اس کا اعجاز تسلیم کیا گیا۔ ہر آیت جس مضمون کی حامل ہے اسی کی مناسبت سے اس کے الفاظ کی نشست ہے لیکن ہر آیت اپنی سادگی و پرکاری میں سہل ممتنع ہے بادی النظر میں کہنے والا کہہ اُٹھتا ہے۔ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام کہہ سکتے ہیں لیکن تیرہ سو برس ہو گئے کوئی پیش کرنے کی جرات نہ کر سکا''۔(۲۵)

اس بیان کی تائید ڈاکٹر مصطفیٰ خان کے ان الفاظ سے ہوتی ہے:

''یہ وہ حقائق ہیں جن کا تعلق صرف حقائق والی کتاب (قرآن) سے ہے اور جس کی فصاحت و بلاغت کا لوہا آج بھی مانا جاتا ہے، زور بیان، انداز بیان، صوت وآہنگ ،فنی اور عروضی نکات، اسی صحیفہ مبارک کے طفیل میں بہت سی زبانوں میں جاری ہیں حالانکہ قرآن کا تعلق شعر و ادب سے نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر کتاب اس کی سند لیتے ہی مستند بن جاتی ہے''۔(۲۶)

یہی خدائی معجزہ جب دنیا کے سامنے آیا تو پوری دنیا کے لوگوں نے اپنی جہالت کی تاریکیاں دور کیں اور اس کی بلیغ اور اشاراتی زبان کی مختلف النوع جہات کو سمجھنے کے لیے عربی زبان کو سیکھنے کی ضرورت پیش آئی اور اس طرح عربی زبان میں نئے مباحث کا آغاز ہوا۔ اس سلسلے میں ایچ۔اے۔آر۔گب (H.A.R.Gib) مقدمہ تاریخ ادبیات عربی (Introduction to the History of Arabic) میں لکھتے ہیں:

''جس زمانے میں قرآن کریم کی تدوین ہوئی ،عربی زبان ایک نہایت ہی نامکمل قسم کے خط میں لکھی جاتی تھی جسے وہ لوگ بالکل نہ پڑھ سکتے تھے جنہیں زبان پر پورا پورا عبور حاصل نہ ہو۔ اس وقت اس بات کی فوری ضرورت درپیش تھی کہ قرآن کریم کے متن کو تحریف سے بچایا جائے اس کے لیے پہلے تو ایک مناسب اور موزوں خط کے قیام کی ضرورت پیش آئی اور

دوسری جانب قواعد صرف ونحو کی تدوین بھی ضروری سمجھی گئی چونکہ یہ ضرورت سب سے زیادہ ان صوبوں میں محسوس کی گئی جو پہلے ایران کے ماتحت تھے۔ اس لیے اس قسم کی مساعی کی ابتداء پہلے پہل عراق کے قلعہ بند شہروں ہی میں ہوئی۔قرآن کریم کے مطالب سمجھنے کے لیے بھی یہ ضروری تھا کہ اس کی نحوی ترکیب اور اس کے الفاظ کا مطالعہ بڑے تفحص سے کیا جائے۔معانی و مطالب کا صحیح مفہوم جاہلیت کے زمانہ کے شعراء کے کلام سے بطور سند پیش کیا جانے لگا۔ اس لیے ان کے کلام کو زبانی حفظ کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس طرح اصول لغات اور لسانیات کے علوم معرضِ وجود میں آئے"۔(۲۷)

مذکورہ بیان کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عربی قواعد کی با قاعدہ اور با ضابطہ تدوین کا کام امیر المومنین سیدنا علیؓ کے ایک سرکاری فرمان سے شروع ہوا۔ آپؓ نے قاضی ابو الاسود دولی کو نحو کے اصول بتا کر حکم دیا کہ اسی کے مطابق قواعد ترتیب دیے جائیں۔ چنانچہ آپ کے فرمان پر عمل درآمد کیا گیا اور عربی قواعد پر ایک مربوط اور جامع کتاب ،ترتیب وتہذیب کے مراحل سے گزری اور نحو کے علم پر آج تک جو آراء سینہ بہ سینہ چلی آرہی تھیں انہیں ایک مستقل شکل مل گئی اور بعد کے مسلمانوں نے صرف ونحو پر جامع کتابیں لکھیں اور اسے ایک مستقل علم بنادیا۔(۲۸)

مسلم علماء نے پہلے عربی لغت اور عربی قواعد پر اپنی توجہ مرکوز رکھی اور بعد میں علوم بلاغت کی طرف اپنی دلچسپی بڑھائی۔ دراصل ان کے لیے فصاحت و بلاغت کی پہلی اور معتبر مثال قرآن کریم تھی۔انہوں نے قرآن پاک کے اعجاز لغوی کے مختلف گوشوں اور جہتوں کو واضح کرنے کی پوری پوری سعی کی اور اس شے کو واضح کرنے کی کوشش کی کہ قرآن فصاحت اور بلاغت کا ایک عمیق سمندر ہے جس کا مقابلہ انسانی عقل وفہم نہیں کرسکتی۔ اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ علم بلاغت ایک ایسا مینارہ نور ہے جس سے حاصل ہونے والی روشنی کے ذریعے انسان موقع ومحل کے مطابق اور مکمل لغوی سلاست اور معنوی وضاحت کے ساتھ اپنی غرض وغایت کو نہایت واضح انداز میں سننے یا پڑھنے والے تک پہنچائے گا۔ ان علوم کے جاننے والے کو عربی زبان کی فضیلت اور اس کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کا صحیح علم ہوگا اور اس کو اس زبان کی وسعت، دلکش انداز بیان اور

بے جا طوالت سے پاک تراکیب کا اندازہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس بات کا یقین پیدا ہوگا کہ یہی اس زبان کی خوبیاں تھیں جن کی بدولت خدا تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام، قرآن کریم کے لیے اس زبان کو منتخب کیا۔ دیکھا جائے تو قرآن پاک کی زبان کو سمجھنے کے لیے ہی عربی میں علم بلاغت کے مباحث کا آغاز ہوا اور پھر عربی سے ہوتا ہوا فارسی اور اردو میں پہنچا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم بلاغت ایک علم ہے یا کہ ایک تصور۔ علم کا تعلق عقلی بنیادوں پر بحث کیے گئے معاملات پر ہوتا ہے جبکہ تصور کا تعلق انسان کے وجدانی یا ذوقی نکتہ نظر سے ہوتا ہے۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو بلاغت اور فصاحت کی تعریفیں اسے ایک علم کی بجائے ایک تصور کے قریب کر دیتی ہیں۔ عام طور پر فصاحت اور بلاغت کو الگ الگ خانوں میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے اور پھر دونوں کو ملا کر اسے عرفِ عام میں ''علم بلاغت'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

فصاحت ایسا تصور ہے جس کے سمجھنے سے انسان اپنی تحریر یا گفتگو میں موقع و محل کے مطابق جملے استعمال کرتا ہے اور بلاغت وہ تصور ہے جس کے جاننے سے وہ اپنی گفتگو یا تحریر میں موقع و محل کے مطابق موزوں الفاظ استعمال کرتا ہے اور اس سے تخلیقی اظہار کے مطابق موزوں الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اس سے تخلیقی اظہار کے مختلف انداز اور اسلوب جنم لیتے ہیں۔ علم بلاغت کے مباحث میں معانی، بیان اور بدیع آتے ہیں۔ معانی میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ کلام میں جو بات کی گئی ہے وہ مقتضائے حال کے مطابق ہے یا نہیں، بیان میں بات کے مختلف انداز اور اسلوب دیکھے جاتے ہیں۔ بدیع کا تعلق محسنات کلام سے ہے۔ یعنی بدیع کے ذریعے کلام میں لفظی اور معنوی دل آویزی پیدا ہوتیہے۔ یہ تینوں پہلو مل کر کلام میں فصاحت و بلاغت پیدا کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں علم بلاغت کی جتنی تعریفیں کی گئی ہیں ان میں شبلی نعمانی کی تعریف زیادہ واضح ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''کلام مقتضائے حال کے موافق ہو اور فصیح ہو۔ مقتضائے حال کے موافق ہونا ایسا جامع لفظ ہے جس میں بلاغت کی تمام انواع و اسالیب آجاتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ کتب معانی مثلاً مطول اور ایضاح وغیرہ میں بلاغت کی جو تشریح کی ہے اور اس کے جس قدر انواع و اقسام قرار دیئے ہیں وہ نہایت جزئی اور معمولی باتیں ہیں۔ ان تصریحات کی رو سے بلاغت اس کا

نام ہے کہ مبتدا اور جزا کہاں مقدم لائی جائیں اور کہاں موخر؟ کہاں معرفہ ہوں کہاں نکرہ کہاں مذکور ہوں کہاں محذوف؟ اسناد کہاں حقیقی ہوں کہاں مجازی؟ جملہ کہاں خبریہ ہو کہاں انشائیہ؟ دو فقروں میں کہاں وصل ہو اور کہاں فصل؟ کلام میں کس موقع پر اختصار؟ گویا بلاغت کا صرف اس قدر فرض ہے کہ جب تم کسی مطلب کو کسی خاص جملہ میں ادا کرنا چاہو تو وہ یہ بتادے کہ جملہ کے اجزا کیا ہونے چاہیں اور ان اجزا کی ترکیب کیا ہونی چاہیے لیکن اگر عام طور پر پوچھا جائے کہ کس قسم کے مضامین کو کیوں کر ادا کرنا چاہیے مثلاً: مدح، ذم، فخر، ہجا، تہنیت، تعریف، شوق، محبت، ان مضامین میں سے ہر ایک کے ادا کرنے کے کیا کیا خاص پیرائے ہیں، ہر مضمون کا خاکہ کیوں قائم کرنا چاہیے۔ کس قسم کے خیالات، کسی خاص مضمون کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں، تو موجودہ فن بلاغت اس کے متعلق کچھ رہبری نہیں کرسکتا۔ حالانکہ بلاغت کا اصلی تعلق مضامین ہی سے ہے نہ کہ الفاظ سے "(۲۹)

فن بلاغت سے متعلق شبلی کا یہ بیان مشرقی ماہرین بلاغت کے مختلف نظریات سے ماخوذ ہے۔ لیکن شبلی کے اس نظریہ سے متفق ہونا بہت مشکل ہے کہ بلاغت کا اصل تعلق مضامین سے ہے الفاظ سے نہیں۔ درحقیقت لطیف اور بلیغ الفاظ ہی لطیف و بلیغ معنی کو اجاگر کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بلاغت کا فصاحت سے کیا تعلق بنتا ہے؟ فصاحت کی عام طور پر تعریف یہ کی جاتی ہے کہ لفظ میں جو حروف استعمال ہوتے ہیں، ان میں تنافر نہ ہو، الفاظ مانوس ہوں اور قواعد حرفی کے خلاف نہ ہوں۔ اس حوالے سے ہمیں اہل زبان کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ مستند اور معتبر اہل زبان، کی سند ہی کسی لفظ کو فصاحت کا درجہ دے سکتی ہے گویا لفظ کو ایک مخصوص اعتبار اور معیار سے دیکھنا فصاحت کا عمل ہے۔ اس سلسلے میں شمس الرحمان فاروقی کی رائے دیکھیے:

> "جس طرح بلاغت ایک صورت حال ہے، اسی طرح فصاحت بھی ایک صورت حال ہے۔ فصاحت سے مراد یہ ہے کہ لفظ یا محاورے یا فقرے کو اس طرح بولا یا لکھا جائے جس طرح مستند اہل زبان لکھتے یا بولتے ہیں۔ لہذا فصاحت کا تصور زیادہ تر سماعی ہے، اس کی بنیاد روزمرہ اہل زبان سے ہے، جو

بدلتا بھی رہتا ہے اس لیے فصاحت کے بارے میں کوئی دلیل لانا یا اصول قائم کرنا تقریباً ناممکن ہے۔فصاحت کا تصور بھی زمانے کے ساتھ بدلتا رہتا ہے اور الفاظ بھی زمانے کے ساتھ فصیح یا غیر فصیح بنتے رہتے ہیں ۔یہ سوال اکثر اٹھایا گیا ہے۔ کہ بلاغت فصاحت کے بغیر ممکن ہے؟پرانے علماء کے خلاف ماضی قریب کے علماء نے جو زیادہ سخت گیر تھے یہ کہا کہ فصاحت جز و بلاغت ہے اور بلاغت کی شرط ہی یہی ہے کہ مراد کلام کو دوسرے تک بشرط فصاحت پہچانا لیکن یہ نظریاتی اعتبار سے غلط ہے کیونکہ اگر بلاغت اس صورت کا نام ہے جس میں الفاظ موقع اور محل اور معنی کے تقاضے کی مناسبت سے لائے جائیں تو ممکن ہے کہ ایسا کلام فصاحت کے مروجہ معیاروں پر پورا نہ اترے۔"(۳۰)

شمس الرحمٰن فاروقی اپنے اس بیان کی تائید میں میرؔ کے ایک ایسے شعر کا حوالہ دیتے ہیں جس میں مسجد کی جگہ لفظ "مسیت" استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کے استعمال کی وجہ وہ یہ بتاتے ہیں کہ جاہل اور ریاکار مذہبی لوگوں کا ذکر جس تحقیر سے اس شعر میں کیا گیا ہے اس کا تقاضا یہی تھا کہ یہاں "مسیت" جیسا بظاہر غیر فصیح لفظ استعمال کیا جاتا۔ شاید شبلی نے اس لیے یہ کلیہ وضع کیا ہے کہ کوئی لفظ اصلاً فصیح یا غیر فصیح نہیں ہوتا، بلکہ اپنے مقام کے اعتبار سے فصیح یا غیر فصیح کہلاتا ہے۔ اسی بات کی وضاحت عابد علی عابد ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> " کلمہ یا لفظ بنفسہ نہ فصیح ہے نہ غیر فصیح ، نہ ثقیل ہے نہ غیر ثقیل ،صوت محض ہے، بالکل معصوم اور اس کی فصاحت یا عدم فصاحت کا دارومدار اس کے محل استعمال پر ہے۔مغرب کے نقاد اس بات پر متفق ہیں کہ الفاظ و معانی میں جو رشتہ ہے وہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ فن کار صرف وہ الفاظ استعمال کرے جو اظہار مطلب کے لیے موزوں ترین واقع ہوئے ہیں اور یہ نہ دیکھے کہ الفاظ ثقیل ہیں یا نادر۔"(۳۱)

عابد علی عابد کے اس بیان کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کلام ایسے تمام عیوب سے پاک ہو جن کا ذکر ہم گذشتہ صفحات میں کر آئے ہیں مثلاً تالیف، تنافر کلمات، تنافر لفظی،

تنافرِ معنوی، تنافرِ حروف، تعقید، کثرتِ تکرار، توالی اضافات اور غرابت وغیرہ۔ کلام میں ایسا لفظ لانا جو متروک یا مانوس اور بعید الفہم ہو۔ ایسے لفظ کو وحشی، غریب، بیگانہ، ناآشنا، ثقیل اور بدآہنگ بھی کہتے ہیں۔(۳۲)

عیوب کلام کے ان مندرجہ بالا پہلوؤں سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ فصاحت موزوں اور مناسب الفاظ کے انتخاب اور ان کے حسن استعمال کا نام ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ تخلیق کار الفاظ کو منتخب کرتے وقت اور ان کے استعمال کے وقت، ماہرین بلاغت کی جانب سے مقرر کیے گئے اصول وضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے خاص احتیاط برتے اور الفاظ وکلمات کی ترتیب اور ان کے جمالیاتی عناصر سے اپنے کلام کو آراستہ کرے۔ لیکن اس کے لیے جہاں فصاحت و بلاغت کے فن سے مکمل طور پر آگاہ ہونا ضروری ہے وہاں گہرے ادبی اور فنی ذوق کا حامل ہونا بھی ناگزیر ہے۔

مشرق کے ماہرین بلاغت کہتے ہیں کہ کلام کا حال ومقام کے تقاضوں کے مطابق ہونا بلاغت ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ کلام میں فصاحت بھی موجود ہو۔ اردو کے تمام ماہرین بلاغت کے ہاں مقتضائے حال کا ذکر ہوا ہے۔ اس سلسلے میں تمام ماہرین نے اپنے اپنے طور پر وضاحت کی ہے جس کا خلاصہ عابد علی عابد کے مطابق یہ ہے:

> "بلاغت اُس وقت وجود میں آتی ہے جب مطابقت الفاظ ومعانی کا مسئلہ طے ہو جائے اور فنکار، شاعر یا انشا پرداز ابلاغ واظہار کے سلسلے میں اس بنیادی بات کو ملحوظ خاطر رکھے کہ اسے قریب ترین راستوں سے پڑھنے والوں کے ذہن سے رابطہ قائم کرنا ہے اور یہ رابطہ اس طرح قائم کرنا ہے کہ پڑھنے والے محسوس کریں کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ برمحل، مناسب اور موزوں ہے۔(۳۳)

اس کا مطلب یہ ہے کہ کلام میں جو بات کرنی مقصود ہے۔ اس کے لیے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا جائے جو موضوع اور مضمون سے مناسبت رکھتے ہوں کیونکہ فصاحت کا مطلب بھی یہی ہے کہ کلام میں ایسے الفاظ لائے جائیں جو روزمرہ اور محاورہ کے منافی نہ ہوں اور موقع ومحل کے مطابق استعمال کیے گئے ہوں۔ جبکہ بلاغت کے بموجب کلام میں اس حال ومقام کے مطابق بات کی جاتی ہے۔ اسی لیے فصاحت و بلاغت سے متعلق عابد علی عابد نے تمام مباحث کا یہ ملخص

بیان کیا ہے جو ہر طرح سے مناسب اور صحیح ہے۔

"اب معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہمارے بزرگوں نے فصاحت و بلاغت کے کلمات استعمال کیے تھے تو بہت سوچ سمجھ کر کیے تھے ان کی مراد یہ تھی کہ انشاء پرداز موزوں الفاظ کے انتخاب میں احتیاط سے کام لے (اس کا تعلق اصلاً فصاحت سے ہے) پھر مطابقت الفاظ و معانی کا مرحلہ طے کرنے کے بعد بر محل، موزوں اور مناسب بات کرے (اس کا تعلق اصلاً بلاغت سے ہے)"(۳۴)

عابد علی عابد کے اس بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فصاحت کا تعلق زبان سے اور بلاغت کا تعلق مضمون یا موضوع سے ہے اور یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں کیونکہ فن کی جمالیاتی صفات انہی کی موجودگی سے پروان چڑھتی ہیں۔ فصاحت و بلاغت کا شعور گہرے مطالعہ کا مقتاضی تو ہے ہی لیکن اس کے لیے سب سے ضروری اعلیٰ ذوق کا حامل ہونا ہے اس حوالے سے دیکھا جائے تو بلاغت ایک علم ہی ہے کیونکہ اس کے لیے کچھ عقلی اصول وضوابط مقرر کیے گئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ بلاغت ایک تصور اور فن بھی ہے کیونکہ اس کا تعلق انسان کے وجدان اور اعلیٰ فنی ذوق سے ہے۔

اردو میں بلاغت کا تصور عربی سے ہوتا ہوا فارسی کے ذریعے آیا۔ ویسے تو بلاغت کا اصل ماخذ ارسطو کی کتاب خطابت (Rhetoric) بتائی جاتی ہے لیکن اہل مشرق کا فنِ بلاغت اہل مغرب سے جدا اور منفرد ہے۔ پہلے پہل مسلمانوں کو قرآن مجید کی بلیغ زبان کو سمجھنے کے لیے اس فن کی ضرورت درپیش ہوئی جس کے نتیجے میں عبدالقاہر جرجانی کی کتاب "دلائل الاعجاز" تخلیق ہوئی۔ عربی میں فن بلاغت پر یہ عظیم کتاب ہے۔ ان کے بعد عربی میں جاحظ، ابن قتیبہ، باقلانی، قدامہ بن جعفر، ثعالبی، ابن رشیق اور ابن المعتز وغیرہ نے فن بلاغت پر بڑا گراں قدر کام کیا ہے۔

عربی کے ساتھ ساتھ فارسی میں رشید وطواط بلخی، شمس قیس رازی، عوفی، امیر خسرو، دولت شاہ سمرقندی اور شمس الدین فقیر وغیرہ نے فن بلاغت کو آگے بڑھایا اردو کے ماہرین بلاغت کے سامنے یہی عربی اور فارسی کا ایک عظیم بلاغتی سرمایہ موجود تھا۔ اردو میں فن بلاغت کے جتنے مباحث ہیں وہ تمام کے تمام عربی اور فارسی فن بلاغت سے متاثر ہیں اور اردو کے ماہرین بلاغت

نے جتنی کتب تحریر کی ہیں وہ تمام عربی فارسی فن بلاغت کی روایت سے وابستہ ہیں ۔اردو کے ماہرین نے برصغیر کے قدیم سنسکرتی فن بلاغت سے چنداں استفادہ نہیں کیا۔حالانکہ سنسکرت میں بھی بلاغت کے اپنے اصول وضوابط موجود ہیں ۔حتیٰ کہ اردو کے تخلیق کاروں کے ہاں بھی علم عروض ، بیان، بدیع اور معانی،عربی فارسی روایت سے منسلک ہے ان فنون پر اردو میں ابتدائی کتب میں دریائے لطافت حدائق بلاغت ،تذکرۃ البلاغت اور بحر الفصاحت قابل ذکر ہیں:

☆☆☆☆☆

مآخذ وحواشی

(۱) ساجد اللہ تفہیمی ، دکتر، فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی (اسلام آباد : مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، ۱۹۹۲ء)ص۸۹

(۲) عبدالمجید(مولف)جامع اللغات، (لاہور: ملک دین محمد اینڈ سنز،س ۔ن)

(۳) عبدالحق ،مولوی،صدیقی،ابواللیث،ڈاکٹر، مدیرانِ اعلیٰ؛اردو لغت (تاریخی اصول پر) جلد دوم، (کراچی: ترقی اردو بورڈ،۷۸ ۔۱۹۷۹ء)

(۴) نیر،نورالحسن ،مولوی(مولف)نور اللغات(اسلام آباد:نیشنل بک فاونڈیشن،۱۹۷۶ء)

(۵) فیروزالدین،مولوی(مولف) فیروز اللغات (فارسی)(لاہور:فیروزسنز،۱۹۵۲ء)

(۶) تصدق حسین رضوی،مولوی (مولف)لغات کشوری (لاہور: سنگ میل،۱۹۸۲ء)

(۷) ساجد اللہ تفہیمی ، دکتر،فرہنگ اصطلاحات علوم ادبی،ص۳۰۴

(۷) حنیف گنگوہی،مولانا محمد نیل الامانی شرح اردو،جلد دوم (کراچی: مکتبہ بحر العلوم، س۔ن) ص ۱۲۷

(۸) سورۃ ابراھیم، آیت نمبر ۱۸ (۹)سورۃ مریم، آیت نمبر۴

(۱۰)سورۃ طہٰ، آیت نمبر۵ (۱۱) سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۹

(۱۲) سورۃ الرحمٰن، آیت نمبر ۲۷ (۱۳) سورۃ شعراء، آیت نمبر ۱۶

(۱۴) سورۃ الشوریٰ، آیت نمبر ۵ (۱۵) سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۶

(۱۶) سورۃ المائدہ، آیت نمبر ۱۱۶ (۱۷) سورۃ الانعام، آیت نمبر ۱۲۲

(۱۸) سورۃ الحاقۃ، آیت نمبر ۱،۲،۳ (۱۹) سورۃ القارعۃ، آیت نمبر ۱،۲،۳

(۲۰) سورۃ القمر، آیت نمبر ۲۴ (۲۱) سورۃ الانبیاء، آیت نمبر ۶۲

(۲۲) سورۃ الروم، آیت نمبر ۵۵ (۲۳) سورۃ یوسف، آیت نمبر ۳۸

(۲۴) سورۃ الحجرات، آیت نمبر ۱۴

(۲۵) بحوالہ، ایچ۔اے۔آر۔گب، مقدمہ تاریخِ ادبیات عرب سید محمد اولاد گیلانی، مترجم؛ (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۵۹ء) ص ۲۵۰

(۲۶) مصطفیٰ خان، ڈاکٹر ''قرآن اور حدیث میں صنائع بدائع'' مشمولہ تنقید و تحقیق؛ ڈاکٹر اسلم فرخی، مرتب؛ کراچی: ۲۰۰۱ء) ص ۱۶۵

(۲۷) ایچ۔اے۔آر۔گب، مقدمہ تاریخ ادبیات عرب، ص ۵۴۔۵۵

(۲۸) بحوالہ، ایچ۔اے۔آر۔گب، مقدمہ تاریخِ ادبیات عرب، ص ۵۴

(۲۹) شبلی نعمانی، موازنہ انیس و دبیر (لاہور: عشرت پبلشنگ ہاؤس، س ن) ص ۵۱۔۵۲

(۳۰) فاروقی، شمس الرحمٰن، بلاغت کیا ہے؟ مشمولہ، درس بلاغت، ترقی اردو بیورو، مرتب؛ ص ۱۵

(۳۱) عابد علی عابد، سید، اصول انتقادِ ادبیات (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۷ء) ص ۲۰۴

(۳۲) مذکورہ عیوب کلام کی وضاحت کے لیے ''فرہنگ اصطلاحاتِ علوم ادبی'' از ڈاکٹر ساجد اللہ فہیمی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۳۴) عابد علی عابد، اصول انتقادِ ادبیات، ص ۲۱۴

❁❁❁